کتاب وحکمت

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

درجات الیقین

﴿ اِنّ ھذَا لَھُوَ حَقُ الیَقِین ﴾

سوال: شیخ الاسلام ابوالعباس امام احمد ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو (قرآن شریف میں مختلف جگہوں پر) حق الیقین، عین الیقین اور علم الیقین کے تین مقام بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے ہر مقام کے کیا معنی ہیں؟ اور کون سا مقام ان سب میں اعلیٰ ہے؟

جواب: حضرت امام موصوفؒ نے یوں جواب دیا: الحمدللہ ربّ العٰلمین، حق الیقین، عین الیقین اور علم الیقین کی تفسیر میں لوگوں نے مختلف باتیں کہی ہیں، ان میں ایک قول یہ ہے کہ:

علم الیقین علم کے اس درجہ کا نام ہے جو کسی شخص کو کسی بات کے سننے، کسی دوسرے شخص کے بتلانے اور کسی بات میں غور اور قیاس کرنے سے حاصل ہو، پھر جب وہ اس چیز کا آنکھوں سے مشاہدہ اور معائنہ کرے گا تو اسے عین الیقین حاصل ہوجائے گا اور جب دیکھنے کے بعد اسے چھوئے گا، اسے محسوس کرے گا، اسے چکھے گا اور اس کی حقیقت کو پہچان لے گا تو اسے حق الیقین حاصل ہوجائے گا۔

پہلے درجہ علم کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو کسی نے خبر دی کہ فلاں جگہ شہد ہے تو اس نے خالی اس کی تصدیق، یا مکھیوں کا چھتا اور اسی قسم کے اور نشان کو دیکھا تو نتیجہ نکال لیا کہ وہاں شہد ہوگا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ شہد والے چھتے کو دیکھ لے اور اس کا مشاہدہ اور معائنہ کرلے۔ یہ مقام پہلے سے اعلیٰ ہے جیسا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لیس المخبر کالمعائن یعنی ''جو شخص صرف کان سے سن لے، وہ اس کے برابر نہیں ہوسکتا جو آنکھ سے بھی دیکھ لے''۔ تیسرے درجہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے شہد کو چکھ لیا اور اس کے مزہ اور شیرینی کو محسوس کیا۔ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ یہ درجہ اپنے سے پہلے درجہ یعنی عین الیقین سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے اہل معرفت جب حق الیقین کا لفظ بولتے ہیں تو اس شوق اور وجد کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو انہیں حاصل ہوتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے حدیث صحیح میں فرمایا:

ثلاث مَن كن فيه وجد حلاوة الايمان: من كان الله ورسوله أحب إليه مما سواهما ومن كان يحب المرء لا يحبه إلا لله ومن كان يكره أن يرجع إلى الكفر بعد أن أنقذه الله منه كما يكره أن يلقى فى النار (متفق عليه)

''جس شخص میں تین چیزیں ہوں اس نے ایمان کی حلاوت پالی: وہ شخص جو اللہ اور رسول کو باقی تمام چیزوں سے بڑھ کر دوست رکھتا ہے..... وہ شخص جو کسی شخص سے صرف اللہ کی خاطر دوستی رکھے .....اور تیسرا وہ شخص جسے اللہ نے کفر سے نکال لیا ہو اور وہ کفر میں لوٹ جانے کو ایسا بُرا جانتا ہو جس طرح آگ میں ڈال دیئے جانے کو'' نیز فرمایا:

ذاق طعم الایمان من رضی بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا

''اس شخص نے ایمان کا مزہ پالیا جو اللہ تعالیٰ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین برحق ہونے اور محمد ﷺ کے رسولؐ ہونے پر راضی ہوا'' (رواہ مسلم رمشکوٰۃ: کتاب الایمان، رقم ۸)

وجد اور ذوق کے تین درجے

اہل ایمان کو جو ایمان کی شیرینی اور مزہ حاصل ہوتا ہے، اس میں لوگوں کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو صرف اتنا ہی معلوم ہو کہ ذوق اور وجد کوئی چیز ہے۔ مثلاً اسے شیخ نے بتلایا کہ ذوق ایک درجے کا نام ہے تو اس نے اسے سچ سمجھا، یا اہل معرفت نے اپنے متعلق جو باتیں کہی ہیں وہ ان تک پہنچ گیا، یا ان کے اَحوال کی نشانیاں، مثلاً ایسی کرامات دیکھیں جو ذوق پر دلالت کرتی ہیں۔ دوسرا درجہ اس شخص کا ہے جس نے اس ذوق کا مشاہدہ اور معائنہ بھی کرلیا۔ مثلاً اہل معرفت اور اہل صدق و یقین کے ایسے اَحوال کا مشاہدہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اربابِ وجد و ذوق ہیں۔ تو اگرچہ اس شخص نے درحقیقت اس حالت کو نہیں پایا تاہم ایسی چیز کو تو دیکھ لیا جو اس حالت پر دلالت کرتی ہے اور یہ شخص بہ نسبت اس شخص کے حقیقت سے زیادہ قریب ہے جس نے اسے دیکھا نہیں۔ بلکہ اس کے متعلق محض خبر حاصل کی ہے اور اہل معرفت کی کرامتیں دیکھ کر اس کے وجود کی دلیل پکڑی ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ جس ذوق اور وجد کو اس نے دوسروں سے سنا ہے، اسے اپنے نفس میں بھی پایا ہو۔ چنانچہ ایک بزرگ کا مقولہ ہے۔ ''مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ فرطِ ذوق و وجد میں کہہ رہا تھا کہ اگر اہل جنت کو جنت میں ایسی حالت نصیب ہوجائے تو یقیناً وہ اعلیٰ قسم کے عیش میں ہوں گے''

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں: ''بعض اوقات دل پر ایسے اَحوال طاری ہوتے ہیں کہ مارے خوشی کے وہ رقص کرنے لگ جاتا ہے''

اسی طرح ایک اور صاحبِ ذوق کا مقولہ ہے: ''رات کو جاگنے والے جاگنے میں وہ لذت حاصل کرتے ہیں کہ لہو ولعب میں مشغول ہونے والوں کو لہوولعب میں نصیب نہیں ہوسکتی''

اسی طرح آخرت کے متعلق جن اُمور کی خبر دی گئی ہے، اس میں بھی لوگوں کے تین درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ ان باتوں کا خالی علم ہی ہو، جو انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے، یا ان دلائل کے سامنے آجانے سے حاصل ہوا ہو جو امورِ آخرت کا عقلی ثبوت ہیں۔ دوسرا درجہ علم اس وقت حاصل ہوگا جب

لوگ ثواب اور عذاب، بہشت اور دوزخ کو دیکھ لیں گے جن کا انہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ اور تیسرا درجہ علم اس وقت حاصل ہوگا جب اس ثواب وعذاب کو اپنے جسم پر محسوس کریں گے۔ یعنی بہشتی بہشت میں داخل ہوکر اور دوزخی دوزخ میں جاکر اس چیز کا ذائقہ حاصل کریں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

الغرض ہر چیز میں خواہ وہ دلوں کے اندر ہو یا دلوں سے باہر پائی جاتی ہو، لوگوں کے یہی تین درجے ہیں۔ علیٰ ہذاالقیاس اُمور دنیا میں بھی، ایک شخص کو خبر ملتی ہے کہ عِشق اس چیز کا نام ہے اور نکاح اس کو کہتے ہیں، لیکن نہ اس نے اسے دیکھا اور نہ اس کی لذت کو محسوس کیا تو اسے صرف اس کا علم ہی حاصل ہے۔ پھر اگر اس کا مشاہدہ کرلیا لیکن لذت حاصل نہ کی تو اسے اس کا معائنہ حاصل ہوگیا اور اگر بنفسہٖ اس کا مزہ چکھ لیا تو اسے اس بات کا ذوق اور تجربہ بھی حاصل ہوگیا۔ اور جس شخص کو کسی چیز کا ذوق نہیں، اسے اس کی حقیقت کی معرفت بھی نہیں کیونکہ الفاظ کے ذریعہ سے کسی چیز کی صرف مثال دی جاسکتی ہے اور اسے ذہن کے قریب کیا جاسکتا ہے۔ باقی رہی اس کی شناختِ کلی، تو وہ محض الفاظ کے ذریعہ کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی، سوائے اس شخص کے جو پہلے اس چیز کو محسوس کرچکا ہو، جس کی تعبیر بیان ہورہی ہے اور اس کی اچھی طرح شناخت اور تجربہ کرچکا ہو۔ ایسے لوگوں کو اہل معرفت اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دوسروں کو جس چیز کا علم کسی کے خبر دینے یا خود غور کرنے سے حاصل ہوا ہے انہوں نے اس کی حقیقت کو ذاتی تجربے اور ذوق سے پہچان لیا۔

حلاوتِ ایمان

صحیح حدیث میں ہے کہ ہرقل شاہِ روم نے ابوسفیان بن حرب سے رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں کئی ایک باتیں دریافت کی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ''جب کوئی شخص دین اسلام میں داخل ہوجاتا ہے تو کیا اس سے متنفر ہوکر لوٹ بھی جاتا ہے؟'' ابوسفیان نے جواب دیا: 'نہیں'..... اس پر ہرقل نے کہا: **وکذلک الایمان إذا تخالط بشاشته القلوب لایسخطه أحد** ''واقعی ایمان کی شیرینی ایسی ہے کہ جب اس کی تازگی دلوں میں سرایت کرجاتی ہے تو کوئی شخص بھی اس سے نفرت نہیں کرتا'' (البخاری)

الغرض ایمان جب دل میں رچ جائے اور اس کی تازگی اس میں سرایت کرجائے تو وہ اس سے کبھی نفرت نہیں کرتا بلکہ اسے پسند کرتا ہے۔ کیونکہ دل میں ایمان کی اس قدر شیرینی، لذت، سرور اور شادمانی ہوتی ہے کہ جس نے اسے محسوس نہیں کیا، اس کے سامنے اس کی تعبیر ناممکن ہے۔

لوگ ذوقِ ایمان کے مدارج میں ایک دوسرے سے کم وبیش ہیں۔ دل میں جو فرحت اور سرور پیدا ہوتا ہے، اس سے ایک قسم کی شگفتگی اور طاعات پر آمادگی اور دل میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔ جو اس ذوق کے مقدار کے موافق ہوتی ہے اور جب یہ چیز دل میں اچھی طرح رَچ جائے تو دل اس سے کبھی

بیزار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (یونس:۵۸)

''اے پیغمبرؐ ان لوگوں سے کہو کہ (یہ قرآن اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور) لوگوں کو چاہئے کہ خدا کا فضل اور اس کی رحمت یعنی اس قرآن کو پاکر خوش ہوں کہ جن (دنیاوی فائدوں) کے جمع کرنے کے پیچھے پڑے ہیں، یہ ان سے کہیں بہتر ہے''

﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ﴾

''اور (اے پیغمبرؐ) جن (مسلمانوں) کو ہم نے (یہ) کتاب دی ہے وہ تو جو جو (احکام) تم پر اُتارے گئے ہیں، سب ہی سے خوش ہوتے ہیں اور دوسرے فرقے اس کی بعض باتوں سے انکار کرتے ہیں'' (سورۂ رعد:۳۶)

﴿وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ (سورۂ توبہ:۱۲۹)

''اور جس وقت کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو منافقوں میں سے بعض لوگ (ایک دوسرے سے) پوچھنے لگتے ہیں کہ بھلا اس (سورت) نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا؟ سو جو (پہلے سے) ایمان رکھتے ہیں، اس (سورت) نے ان کا تو ایمان بڑھایا اور وہ اپنی جگہ خوشیاں مناتے ہیں''

آخری آیت میں جو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ اہل ایمان قرآن کی سورت کے نازل ہونے سے مستبشر ہوتے ہیں تو استبشار سے مراد فرحت اور سرور ہے اور یہ فرحت اس لیے ہے کہ وہ اپنے دلوں میں قرآن کے اُترنے سے ایمان کی حلاوت، لذت اور بشاشت محسوس کرتے ہیں۔ لذت ہمیشہ محبت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی کسی چیز سے محبت رکھتا ہے پھر اسے پالیتا ہے تو اسے اس کی لذت بھی حاصل ہوتی ہے۔

پس ذوق پسندیدہ چیز کو پالینے کا نام ہے۔ لذتِ ظاہری کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ انسان کی پہلے یہ حالت ہوتی ہے کہ کھانے کی اشتہا رکھتا ہے، اس وقت اسے کھانے کی محبت ہوتی ہے جب اسے چکھتا اور تناول کرتا ہے تو اس کی لذت اور حلاوت محسوس کرتا ہے۔ نکاح اور اسی قسم کی اور چیزوں کی لذت بھی ایسی ہے۔

اَللہ کی محبت

خلقت میں کوئی محبت اتنی بڑی، اتنی کامل اور اَتم نہیں ہے جس قدر اہل ایمان کو اپنے ربّ سے ہوتی ہے۔ تمام کائنات میں کوئی چیز سوائے اللہ تعالیٰ کے ایسی نہیں ہے جسے بلاواسطہ کسی دوسری چیز کے محض اس کی اپنی ذات کی خاطر، ہر حیثیت سے دوست رکھا جائے۔ اللہ کے سوا جس سے بھی محبت کی

جائے گی اس کی محبت اللہ کی محبت کے رشتہ سے ہوگی۔ کیونکہ رسولِ کریم ﷺ سے بھی محبت کی جاتی ہے تو اللہ کی خاطر۔ آپؐ کی اطاعت کی جاتی ہے تو اللہ کے لیے۔ آپؐ کی اتباع کی جاتی ہے تو اللہ کے لیے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آلِ عمران:۳۱)

''اے پیغمبر (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ بھی تم کو دوست رکھے'' ..... ایک حدیث میں ہے:

اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ بِهٖ مِنْ نِعَمِهٖ وَاَحِبُّوْنِيْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَهْلِ بَيْتِيْ لِحُبِّيْ

''اللہ سے دوستی رکھو اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں بخشتا ہے اور مجھ سے محبت رکھو اللہ کی محبت کی خاطر اور میرے اہل بیت سے دوستی رکھو میری محبت کے رشتہ سے'' (جامع ترمذی:۳۸۷۹)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾ (سورۂ توبہ:۲۴)

''(اے پیغمبرؐ! انہیں) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو اور مکانات جن (میں رہنے) کو تمہارا جی چاہتا ہے (اگر یہ چیزیں) اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کے رستے میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو (ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ (تمہارے سامنے) لاموجود کرے اور اللہ ان لوگوں کو جو (اس کے حکم سے) سرتابی کریں، ہدایت نہیں دیا کرتا''

نبی ﷺ نے فرمایا:

"لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من ولده و والده والناس أجمعين"

''تم میں سے کوئی بھی ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک اپنی اولاد، اپنے باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ میرے ساتھ محبت نہ رکھے'' (متفق علیہ)

ترمذی وغیرہ کی حدیث میں آیا ہے:

"من أحب لله وأبغض لله وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الايمان"

''جو شخص اللہ ہی کی خاطر دوستی رکھے، اللہ ہی کی خاطر دشمنی رکھے، اللہ ہی کی خاطر دے اور اللہ ہی کی خاطر روک رکھے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا'' (ابوداود: کتاب السنہ، رقم ۱۲۵۵)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ:۱۶۵)

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا (اوروں کو بھی) شریکِ (خدا) ٹھہراتے (اور) جیسی محبت اللہ سے رکھنی چاہئے ویسی محبت اُن سے رکھتے ہیں اور جو ایمان والے ہیں ان کو تو (سب سے) بڑھ کر اللہ سے محبت ہوتی ہے''

پس معلوم ہوا کہ ایمانداروں کے اپنے دل میں جس قدر دوسری چیزوں کی، بلکہ ہر محبّ کے دل میں جو اپنے محبوب کی محبت ہوسکتی ہے، ان سب سے بڑھ کر ان کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے۔ ہم نے اس موضوع پر متعدد مقام پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ اس جگہ صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اہل ایمان کو جو ایمان کی لذت نصیب ہوتی ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور محبت کی مقدار کی موافق۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حلاوت کو محبت کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ثلاث من كنّ فيه وجد حلاوة الايمان: أن يكون الله ورسوله أحب إليه مما سواهما وأن يحب المرء لا يحبه إلا لله وأن يكره أن يعود في الكفر كما يكره أن يقذف في النار (البخاری: رقم ۱۶)

''تین چیزیں جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی حلاوت پالیتا ہے: (۱) اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت باقی چیزوں سے بڑھ کر ہو، (۲) کسی شخص کو صرف اللہ کی خاطر دوست رکھے اور (۳) مسلمان ہونے کے بعد کفر میں لوٹ جانے کو ایسا بُرا سمجھے جیسا آگ میں ڈال دیئے جانے کو''

توحید اور اخلاص

جس طرح ہر چیز کی معرفت کے تین درجے ہیں، اسی طرح لوگوں کو توحید، اخلاص، توکل اور صرف اللہ سے دعا مانگنے میں جو فوائد، حاصل ہوتے ہیں، ان کے بھی تین درجے ہیں۔ ایک ایسا شخص ہے جس کو صاحبِ اَحوال سے یہ باتیں سن کر یا نشانیوں سے نتیجہ نکال کر، اس چیز کا علم حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو ان کے اَحوال کا مشاہدہ اور معائنہ کرلیتا ہے اور تیسرا وہ ہے جس کو اخلاص، توکل علی اللہ، اللہ سے التجاء، اللہ سے مدد چاہنے اور اللہ کے سوا تمام علائق سے کٹ کر صرف اسی کے ہو رہنے کی حقیقت کا وِجدان بھی نصیب ہوتا ہے اور یہ شخص اپنے نفس پر اس بات کو آزما لیتا ہے کہ جب کبھی اس نے مخلوق کے ساتھ رشتہ جوڑا، اس سے اُمید رکھی، اس سے اس بات کی طمع کی کہ وہ نفع والی چیزیں کھینچ کر اس تک پہنچا دے گی اور تکلیف کو اس سے دور کردے گی تو وہ ہمیشہ اس کی طرف سے بے مدد چھوڑا گیا اور اسے مقصود حاصل نہ ہوا۔ بلکہ کبھی لوگوں کی خدمت کی اور ان کے لیے اس طمع پر مال وغیرہ بھی خرچ کیا کہ آڑے

وقت میں اس کے کام آئیں گے لیکن انہوں نے کبھی اسے نفع پہنچایا، یا تو اس وجہ سے کہ خود وہ نفع پہنچانے سے عاجز ہیں، یا بے پروائی برت کر اس کی طرف دلی توجہ نہ کی۔ آخر کار جب سچی احتیاج کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوا، اپنی اطاعت کو صرف اللہ کے ساتھ خاص کر کے اس سے فریاد کی تو اس نے اس کی دعا کو قبول کرلیا اور اس کا دکھ دور کردیا اور اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ ایسا شخص توکل اور صرف اللہ سے دعا مانگنے کی حقیقت کو اس طرح پالیتا ہے جو کہ دوسرے کو نصیب نہیں ہوتی۔

علیٰ ہذا القیاس جو شخص فرمانبرداری کو اللہ کے ساتھ خاص کر دینے اور ماسوی اللہ سے علیحدہ ہو کر صرف اسی کی رضا جوئی کی لذت چکھتا ہے، وہ ایسے حالات محسوس کرتا اور ایسے نتائج اور ثمرات حاصل کرتا ہے جو اس شخص کو ہرگز نصیب نہیں جس میں یہ خلوص وغیرہ نہ ہو۔ بلکہ جو شخص ریاست اور بڑائی کا طالب ہو، خوبروؤں کے ساتھ دل لگائے اور مال کے جمع کرنے اور دیگر ہوا و ہوس میں گرفتار ہو، وہ ان باتوں میں پڑ کر، ایسی ایسی فکروں، غموں، پریشانیوں، دکھوں اور تنگدلی میں مبتلا ہوجاتا ہے جس کے لیے اَلفاظ نہیں بلکہ ان پریشانیوں کی وجہ سے بسا اوقات انسان کا دل خواہشات کے ترک کرنے کو مان بھی لیتا ہے۔ اگر وہ خدا کی مرضی کے خلاف کسی چیز کا طالب ہے تو اسے وہ چیز حاصل نہیں ہوتی جو اسے خوش کر دے بلکہ وہ برابر خوف اور پریشانی میں رہتا ہے۔ حصولِ مطلوب سے پہلے اس کے نہ ملنے سے پریشان اور اندوہ گین رہتا ہے اور جب اسے پالے تو اس کے فنا یا جدا ہوجانے سے خائف رہتا ہے

لیکن جو لوگ اللہ سے دوستی لگاتے ہیں، وہ خوف اور پریشانی سے محفوظ رہتے ہیں۔ جب یہ یا اس کی مثل اور شخص اللہ کی خالص فرمانبرداری، عبادت، اس کے ذکر اور مناجات اور اس کی کتاب یعنی قرآن پاک کے فہم کی لذت پاتا ہے اور خدا کے آگے سرِتسلیم خم کرتا ہے اور بایں طور نیکوکار بن جاتا ہے کہ اس کے تمام اعمال صالح لوجہ اللہ ہوتے ہیں تو وہ ایسا سرور اور فرحت پاتا ہے جو دعا اور توکل کرنے والے کو بھی نصیب نہیں، کیونکہ وہ اپنی دعا اور توکل کے ذریعے ایک چیز حاصل کرلیتا ہے جو دنیا میں سببِ منفعت ہوتی ہے یا کوئی دنیا کا دکھ اس سے ہٹ جاتا ہے۔ جیسا دنیا کا فائدہ اور نقصان تھوڑا، ویسا ہی حصولِ فائدہ اور دفع ضرر کی حلاوت بھی ناپائیدار (اور جس کی تمام خواہشات مرضیاتِ باری تعالیٰ میں جذب ہوجائیں تو جیسی یہ ایک غیر فانی چیز ہے ویسا ہی اس کا سرور بھی غیر فانی) اور ظاہر ہے کہ دل کے لیے توحید اور خالص عبادتِ خداوندی سے نافع تر اور شرک سے بڑھ کر مضرت رساں کوئی چیز نہیں۔ پس جب انسان نے اخلاص کو پالیا جو دراصل اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی حقیقت ہے، تو گویا اس نے وہ چیز حاصل کرلی جس کے حصول سے وہ تمام لوگ قاصر رہے جنہوں نے چھوٹی چھوٹی چیزیں تو حاصل کرلیں لیکن اس مقام تک نہ پہنچے۔

والله اعلم ..... والحمد لله ربّ العالمين وصلوته على أشرف المرسلين !!

[ماخوذ از فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ الحرانی: ج ۱۰، ص ۶۴۲ تا ۶۵۲، کتاب علم السلوک]